AL-JAMEI Research Journal
ISSN (Print) 3006-4775 (Online) 3006-4783

https://aljamei.com/index.php/ajrj

Mystical elements in the Urdu novel according to the Reference of Mantak ul Al-Tayer Jadeed

اردو ناول میں متصوفانہ عناصر بحوالہ منطق الطیر جدید

Dr. Aqsa Naseem Sindhu
Assistant Professor, Department of Urdu
The Govt. Sadiq College Women University Bahawalpur

Abstract:

Mustansar Hussain Tarar's novel "Mantak ul Al-Tayer Jadeed" intricately blends mystical elements with modern logic, exploring the tension between spiritual transcendence and rationality. The mystical dimension is embodied in the journey of self-discovery, where characters confront existential questions through surreal experiences, symbolic dreams, and encounters with otherworldly forces. These mystical elements serve as metaphors for the soul's search for meaning beyond the confines of logic, reflecting Sufi traditions of divine love and unity. By navigating this magical world, the protagonist bridges the gap between traditional wisdom and modern ideas, echoing themes of spiritual enlightenment. Tarar thus creates a narrative where mystical experiences challenge and expand modern reasoning, inviting readers to contemplate the coexistence of the mystical and the rational in the human experience. In "Mantak ul Al-Tayer Jadeed", the mystical serves not only as a narrative device but as a philosophical inquiry into the limitations of human understanding, drawing from rich spiritual and cultural traditions to question the dominance of logic in shaping reality.

Key words: *Mustansar Hussain Tarar's, Novel, Mantak ul Al-Tayer Jadeed, Sufiism.*

تصوف ایک روحانی طرزِ فکراور عمل ہے تصوف سے مراد اللہ سے قربت حاصل کرنااور روحانی پاکیزگی تک پہنچنا ہے۔ تصوف کا لفظ "صوف" سے نکلا ہے۔ تصوف کو صوفیہ کا مذہب بھی کہا جاتا ہے۔ صوفیہ سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے دل میں دنیاوی کوئی خواہشات نہیں ہوتیں وہ لوگ صرف اور صرف اللہ کی رضا چاہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ دنیاوی زندگی سے کٹ کر رہتے ہیں اور دن رات اللہ کی عبادت کرتے ہیں اور اسی کو پکارتے رہتے ہیں۔ تصوف کے لیے مختلف زبانوں میں مختلف اصطلاحات استعمال ہوتی ہیں۔ مثلاً اُردو اور فارسی زبان میں "تصوف"، عربی میں "المتصوف"، ہندی میں "یوگ شاستر"، انگریزی میں "میسٹیزم" وغیرہ کہا جاتا ہے۔ تصوف وہ واحد نظریہ ہے جس کے اثرات ہر تہذیب، ہر معاشرے اور ہر زبان وادب میں موجود ہوتے ہیں۔

"تصوف" کے لسانی معنی "صوف" ہے جو عربی زبان کا لفظ ہے،اس کا مطلب "اون" کے ہیں۔تصوف کی اصطلاح کا تعلق اسلام کے صوفیانہ اور روحانی جہتوں سے ہوا جس میں روح کی اندرونی پاکیزگی، خدا کی محبت وعقیدت اور روحانی علم وحکمت کے حصول پر زور دیا گیا ہے یعنی یہ کہا جا سکتا ہے کہ انسان اپنے دل سے دنیاوی خواہشات ختم کرے اور اپنا سارا وقت صرف خدا کی طرف پھیرے وہ تصوف کہلاتا ہے ۔چنانچہ جب انسان اپنی خواہشات کو اللہ تعالی کے لیے قربان کر دے اور اپنا سب کچھ دین اسلام کے لیے وقف کر دے تو وہ حقیقی تصوف کے دائرے میں آجاتا ہے۔

پروفیسر یوسف سلیم چشتی تصوف کا مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "قول راجع جس پر اکثر صوفیا کا اتفاق یہ ہے کہ تصوف لفظ "صوف" سے مشتق ہے۔چونکہ اکثر صوفیا "اون" کا لباس پہنتے تھے اس لئے انہیں صوفی کہا گیا۔"[1]

فرہنگ آصفیہ میں تصوف کی یہ تعریف کی گئی ہے۔

> "تصوف خواہشاتِ نفس سے پاک ہونا، وہ علم جس کے وسیلے سے صوفی قلب حاصل ہو، تذکیہ نفس کا طریقہ، اشیائے عالم کو مظاہر صفاتِ حق جاننا ہے۔"[2]

تصوف کی ابتداء اسلامی ادوار سے ہوتی ہے۔تصوف ایک مقامی ثقافت کا حصہ ہے اور اس نے برصغیر پاک وہند میں شاعر اور موسیقی کے ساتھ ادب کو بھی متاثر کیا۔ اُردو ادب میں تصوف کی ابتداء امیر خسرو کی شاعری سے ہوتی ہے۔اس کے بعد 19ویں صدی کے آخر اور 20ویں صدی کے اوائل میں اُردو افسانے میں بھی تصوف کی جھلکیاں نظر آتی ہیں۔آہستہ آہستہ ہر ادیب اور شاعر نے اپنی تحریروں میں صوفی نظریات کو شامل کرنا شروع کر دیا۔اُردو ادب میں جو ابتدائی نمونے ملتے ہیں ان میں زیادہ تر متصوفانہ خیالات و مضامین ملتے ہیں۔

حضرت بندہ نواز گیسو دراز کی مشہور و معروف تصنیف "معراج العاشقین" تصوف کی بہترین مثال ہے۔شاہ برہان الدین جانم کی "رموز الواصلین" اور "شہادت الذکر"، شیخ خوب محمد چشتی کی "عقیدہ صوفیا"، شاہ میراں جی کی "شہادت الحقیقت" اور شیخ عبدالقدوس گنگوہی کی "رشد نامہ" بھی تصوف کے حوالے سے اہم تصانیف ہیں۔اس کے بعد کے دور میں جو تصوف کے حوالے سے اہم تصانیف سامنے آتی ہیں ان میں ملاوجہی کی "سب رس" ہے۔"سب رس" کتاب کے بارے میں ڈاکٹر اعجاز حسین لکھتے ہیں۔"

> "سب رس" کے دو کردار تصوف کے پیرائے میں دین و دنیاوی مسائل کو نہایت خوب صورتی سے قصہ کی صورت میں بیان کرتے ہیں۔"[3]

اُردو ادب میں داستانوں کی ابتداء سب سے پہلے ہوئی ،داستانیں قدیم ہوں یا جدید ان کا اخلاقی پہلو متصوفانہ عناصر کا رنگ بعد کے ادب میں لازمی پڑتا ہے۔اُردو میں تصوف پر مبنی اہم داستانیں "نوطرزِ مرصع"، "آرائش محفل"، "باغ و بہار"، "داستان امیر حمزہ" اور "فسانہ عجائب" شامل ہیں۔داستانوں کے بعد ناول نگاری کا آغاز ہوتا ہے۔اُردو ناول میں تصوف کی پہلی جھلک ڈپٹی نذیر احمد کے ہاں ملتی ہے۔فنی لحاظ سے اگرچہ ان کے

ناول اُس وقت کے جدید فنی لوازمات سے محروم تھے لیکن انہوں نے ناول نگاری کی ابتداء کی ہے۔ان کے ناول نصیحت آمیز اور تصوف پر مبنی ہوتے تھے۔رام بابو سکسینہ لکھتے ہیں:

"ڈپٹی نذیر احمد کے ناول آغاز سے اختتام تک نصیحت آمیز ہیں۔ان کے تمام ناول جو اُردو ادب کے شاہکار ہیں "رویائے صادقہ"،"توبتہ النصوح"،"میراۃ العروس" وغیرہ سب میں کوئی نہ کوئی اخلاقی سبق ضرور ملتا ہے۔" [4]

ان کے بعد جو بہترین ناول نگار سامنے آتے ہیں ان میں تصوف مختلف پہلوؤں سے ظاہر ہوتا ہے، جو کہانیوں کی گہرائی کو بڑھاتا ہے اور قاری کو روحانی، فلسفیانہ اور اخلاقی موضوعات پر غور و فکر کی دعوت دیتا ہے۔ذیل میں ان ناولوں میں تصوف کے عناصر کا تجزیہ کیا گیا ہے۔

"فردوس بریں"(1899ء)(عبدالحلیم شرر): یہ ناول ایک مثالی روحانی معاشرے کا تصور پیش کرتا ہے، جو صوفیانہ تعلیمات پر مبنی ہے۔کہانی میں عشق حقیقی کو ایک مرکزی موضوع بنایا گیا ہے، جو کرداروں کو دنیاوی محبت سے بلند کر کے خدا کی طرف لے جاتا ہے۔کردار اپنی روحانی صفائی کے لیے جدوجہد کرتے ہیں، جو تصوف کا ایک اہم اصول ہے۔

"علی پور کا ایلی" (1961) (ممتاز مفتی): یہ ایک خودنوشت ناول ہے، لیکن اس میں صوفیانہ خیالات اور خدا کے ساتھ قربت کے احساس کو نہایت عمدگی سے بیان کیا گیا ہے۔

"آخر شب کے ہمسفر" (1979ء)(قرۃالعین حیدر) : یہ ناول وجود، مقصد حیات، اور انسانی رشتوں کی حقیقت پر گہرائی سے غور و فکر کرتا ہے، جو صوفیانہ تفکر سے جڑا ہوا ہے۔ کردار اپنی زندگی کے تضادات کے باوجود خدا اور اپنی روحانی ذات سے تعلق قائم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ تصوف کی تعلیمات کے مطابق، کردار دنیاوی خواہشات سے بالاتر ہو کر اعلیٰ اقدار کی جستجو کرتے ہیں۔

"راجہ گدھ" (1988ء)(بانو قدسیہ): راجہ گدھ میں تصوف کے ایک منفرد پہلو پر روشنی ڈالی گئی ہے، یعنی انسان کے اعمال کے نتائج اور ان کے اثرات۔بانو قدسیہ نے حرام اور حلال کی کمائی کے اثرات کو صوفیانہ نقطۂ نظر سے پیش کیا۔ سیمی اور قیوم کے تعلقات کو عشق مجازی کے تناظر میں پیش کیا گیا ہے، جو بالآخر عشق حقیقی کی طرف مائل ہوتے ہیں۔ناول میں موت، حیات، اور انسان کے اعمال کے اثرات کا تجزیہ کیا گیا ہے، جو تصوف کے اہم موضوعات ہیں۔

"عبداللہ" (2011ء)(ہاشم ندیم): اس ناول میں عشق مجازی اور عشق حقیقی کے درمیان کشمکش کو بیان کیا گیا ہے، جہاں مرکزی کردار کی روحانی ترقی اور اللہ کی محبت کا پہلو غالب ہے۔

ان کے بعد جو بہترین ناول نگار سامنے آتے ہیں ان میں رتن ناتھ سرشار "فسانہ آزاد"، "ایام عرب"، پریم چند "ہم خرما اور ہم ثواب"، صادق حسین صدیقی "نقاب پوش"، "فتوح العجم"، اسلم راہی "موت کا سوداگر"، ایم اسلم "مہدی"، قمر اجنالوی "سلطان"، نسیم حجازی "قافلہ حجاز"، "کلیسا اور آگ"، احمد شجاع "بخارا"، اعجاز گردیزی "ترائن"، قراۃالعین حیدر "آگ کا دریا" اور مستنصر حسین تارڑ کا ناول "منطق الطیر، جدید" وغیرہ تصوف پر مبنی ناول ہیں۔

ہماراموضوع "مستنصر حسین تارڑ کے ناول"منطق الطیر ،جدید" میں متصوفانہ عناصر ہے جس کامختصر جائزہ لیاجائے گا ۔ان کے علاوہ بہت سے تصوف پر مبنی ناول اُردو ادب میں موجو ہیں اور آج بھی لکھے جا رہے ہیں۔تصوف اسلام کاصوفیانہ عمل ہے جو الٰہی کے ساتھ روحانی اتحاد کی طرف یعنی روح کے اندرونی سفر پر زور دیتا ہے "منطق الطیر ، جدید " میں مستنصر حسین تارڑ اس سفر کی مثالیں اپنے تخیل اور مطالعے کے ذریعے پیش کرتے ہیں۔جہاں انسانی وجود ہر ایک مختلف پہلو کی علامت اور روحانی ادراک کے لیے کوشاں ہے وہیں آرزو، تزکیہ نفس اور روشن خیالی کے موضوعات صوفی فلسفہ کے اندر گہرائی سے گونجتے ہیں۔

" منطق الطیر ، جدید "کے موضوعات میں اتحاد اور وحدانیت ، خود شناسی اور تبدیلی ، پیرومرشد کا روحانی کردار ، انصر ، الٰہی رہنمائی ، باہم ربط ، ماحولیاتی شعور اور سماجی انصاف وغیرہ شامل ہیں۔اس ناول کی ابتداءقرآن پاک کی ایک آیت سے ہوتی ہے جو "سورۃ نمل" سے لی گئی ہے۔

> "اور وارث ہوا سلیمان ، داؤد کا، اور کہا اُس نے اے لوگو سکھائی گئی ہے ہمیں بولی پرندوں کی اور عنایت فرمائی گئی ہے ہمیں ہر چیز ، بے شک یہ اُس کا فضل خاص ہے۔"[5]

اس ناول کے مطالعے سے ایسا لگتا ہے یہ ناول مستنصر حسین تارڑ نے خواجہ فرید الدین عطارؔ کی مثنوی "منطق الطیر" سے متاثر ہو کر لکھا ہے۔ تصوف کے مضامین میں عطار کہتے ہیں کہ ہمیشہ صرف ایک خدا کے ہونے پر یقین رکھنا چاہیے انسان کو اسی کی طرف دل لگانا چاہیے ، اس کی لگن میں تڑپتے رہنا چاہیے بقااللہ بن کے رہو تاکہ اس کو دیکھ پاؤ۔ صرف اسی کی یاد میں ہر وقت مست رہو اور اس کے عشق میں سر خرو ہو کر اپنے آپ کو فنا کر کے بقا حاصل کرو یہی انسان کی اصل کامیابی ہے۔

جبکہ مستنصر حسین تارڑ نے "منطق الطیر ، جدید " میں تصوف کے مضامین میں ان لازوال صوفی موضوعات کی ایک عصری تشریح یعنی کھوج کی طرف اشارہ کیاہے، خاص طور پر الٰہی کی حمایت کے تصور پر توجہ مرکوز کرنا وغیرہ۔اب ہم ان ہی موضوعات یعنی تصوف کے دائرے میں "منطق الطیر،جدید " کی جدید تشریحات پر روشنی ڈالتے ہیں۔اظہر حسین اس ناول کے بارے میں لکھتے ہیں:

> "منطق الطیر،جدید" اپنی تمام تر خوبیوں اور ایک آدھی خامی کے وجود کے ساتھ، مستنصر حسین کا تارڑ کا عمدہ ناول ہے۔یہ عظیم ناول نہیں،ایک دلچسپ،تازہ،اور خوش مزہ ناول ہے۔فی زمانہ شاید ہی آدھی درجن ناول ایسے ہوں، جنھیں خوش مزہ پکارا جا سکتا ہو۔پختہ،رسیلی اور خالص ادبی ذائقوں کی حامل یہ کتاب اردو کے اچھے اچھے ناولوں میں شمار ہو گی۔"[6]

مستنصر حسین تارڑ کے اس پورے ناول کو "ٹلہ جوگیوں " کا روحانی مرکز سمجھا جاتا ہے۔یہ ٹلہ جہلم سے تقریباً ۲۰ کلومیٹر کے فاصلے پر سطح سمندر سے ۳۲۰۰ فٹ کی بلندی پر واقع ہے۔یہ ٹلہ شمالی ہندوستان میں قدیم ترین مذہبی ادارہ تھا۔اب اس ٹلہ میں اجڑے کھنڈرات میں کئی صدیاں سانس لیتی ہیں۔یہ ٹلہ اپنے وقت میں فقیروں کی ایسی خانقاہ تھی جہاں سلاطین وقت حاضری دیتے اور ان جوگیوں کا خیال کرتے تاکہ ان کے اقتدار کا سورج تادیر بلند رہے۔بابا گرونانک ، گرو گرکھ ناتھ

، گروبال ناتھ ، راجا سلوا ہن، را جا بھرت ہری، سکندراعظم، مغل بادشاہ جلال الدین اکبر ، نورالدین جہانگیر یعنی ہر عہد کے سلاطین اور ہر مذہب کے پیروکاروں نے یہاں حاضری دی تھی۔تاریخ میں یہ ٹلہ دو بڑے ناموں سے مشہور ہوا، گرو گورکھ ناتھ اور صدیوں بعد گرو بال ناتھ کے نام سے ۔مستنصر حسین تارڑ کا کہنا ہے کہ :

"آئین اکبری میں ابو الفضل بھی اس ٹلے کا حوالہ دیتے ہوئے یہ عبارت لکھتا ہے کہ۔۔۔بالناتھ جوگی کا مندر جسے ٹلہ بالناتھ پکارتے ہیں ، ہندوستان کے درویشوں میں نہایت عقیدت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے ۔" [7]

مستنصر حسین تارڑ نے ناول کا آغاز پورن بھگت کی کہانی سے کیا ہے۔پورن بھگت کی کہانی بھی ٹلہ جوگیوں سے منسوب ہوتی ہے کہ پورن کے والد کی دو بیویاں تھیں۔ایک رانی اچھرا اور دوسری لونا، پورن رانی اچھراں کا بیٹا تھا۔اس کی سوتیلی ماں لونا پورن کی الفت میں گرفتار ہو جاتی ہے اور پورن جب اس کے بہکاوے میں نہیں آتا تو وہ راجا سے پورن کے بارے میں جھوٹا بہتان لگاتی ہیں۔راجا رانی لونا کی باتوں میں آکراپنے بیٹے کے ہاتھ ، پیر کاٹ کر اسے کنوئیں میں پھینکو ادیتا ہے۔پورن کئی برس تک اس کنوئیں میں پڑا رہا اور ایک روز گرگورکھ ناتھ کا اس طرف سے گزر ہوا۔انھوں نے پورن کو کنوئیں سے نکلوایا اوراپنی روحانی طاقت سے سارا حال جانا اس کے بعد پورن کو اپنے ساتھ رکھ لیا۔اقتباس دیکھیے :

"مدتوں بعد اُدھر سے جو گی گورکھ ناتھ کا گزر ہوتا ہے ، وہ پورن کو کنویں میں سے نکال کر اس کے ہاتھ پاؤں بحال کر دیتا ہے اور اس کے کان پھاڑ کر اپنا جوگی بنا لیتا ہے۔۔۔پورن جواب ایک بھگت ہو چکا ہے وہ اپنے گورو کی سنگت میں ٹلہ جوگیاں جا بسیرا کرتاہے۔" [8]

مستنصر حسین تارڑ اس واقعہ کو بیان کرتے ہوئے تاریخی واقعہ "حضرت یوسف " اور زلیخا کا بھی ذکر کرتے ہیں۔یہ کنواں تارڑ کے مطابق آج بھی سیالکوٹ سے کلووال جانے والی سڑک پر موجود ہے۔ہیر رانجھا کا قصہ آج بھی پنجاب کے لوگوں کو بے قرار کردیتاہے۔اگرچہ اس قصے کو بیتے صدیاں گزر گئی ہیں لیکن وہ پہاڑ ، جہاں رانجھے نے جوگ لیا۔تخت ہزارے کا رانجھا شکستہ قدموں اور غم زدہ دل سے پہاڑ کی کٹھن چڑھائی چڑھ رہا تھا۔اس کی بانسری کی تانیں فضا میں درد گھولتی تھی۔یہ ہیر سے بچھڑنے کا غم تھا جس نے اسے دنیا چھوڑ کر جوگ لینے گرو بال ناتھ کے پاس پہنچادیا۔گرو بال ناتھ اس غم زدہ عاشق کو اپنی محبت کے سائے میں سمیٹ لیتے ہیں۔اس کا کان چھدوا کر اس میں بالی ڈال کر اسے اپنے قبیلے میں شامل کر لیتے ہیں۔ اقتباس دیکھیے :

" رانجھے نےشاید اسی تالاب کے کنارے اپنے کان پھڑ واکر ، ماتھے تلک لگا کے ، مندراں پہن کر جوگ اختیار کر لیا تھا۔۔اگر چہ جو گی بالناتھ نے اُسے خبر دار کیا تھا کہ جاٹ کبھی بھی فقیر نہیں ہو سکتے ، وہ

اپنی انا کے تکبر میں بھیک نہیں مانگ سکتے اور تمہیں کشکول دراز کرنا ہو گا ، آبادیوں میں جا کر بھیک مانگنی ہو گی۔۔۔جو گی جتی ستی ہوتا ہے، اس کے لیے عورت حرام ہے "[9]

اس ناول میں ذرا اختتام مختلف ہے یہاں رانجھا عشق کی آگ میں ٹلہ پہ نہیں ٹکتا اور جو گی ہونے کے باوجود ہیر کی تلاش میں سرگوداں رہتا ہے۔ناول کا مرکزی کردار "موسیٰ حسین " ہے جس کی بیوی صفورہ شیر دل ہے۔موسیٰ حسین پیشے کے لحاظ سے ایک مصور ہے۔موسیٰ حسین نے اولاد کے لیے بہت کشت کاٹے ہیں۔اپنی تمام تر روشن خیالی کو ترک کر کے کئی مزار پر منت مانگی اور وہ سیالکوٹ کا سفر بھی اختیار کرتا ہے یہاں تک کہ شہر سے دور ہندوستان کی سرحد کے کناروں پر ابھی تک موجودہ پورن بھگت کے کنویں تک گیا۔موسیٰ حسین بھی عطار کے پرندوں کی طرح اولاد کی کشت سے محبت الٰہی کے سفر پر نکل پڑا۔موسیٰ ان پرندوں کی طرح خود بھی سفر الٰہی اور اتحاد کی جستجو میں ہیں۔پرندہ بھی ایک روحانی رہنما کے طور پر کام کرتا ہے، پرندہ بھی موسیٰ حسین کو حتمی مقصد کی طرف لے جاتا ہے۔صوفی روایت میں روحانی رہنمائی کی اہمیت اور سالک کے سفر کو آسان بنانے میں پرندہ رہنما کے کردار کو اُجا گر بھی کرتا ہے۔مستنصر حسین تارڑ لکھتے ہیں کہ :

"موسیٰ حسین دیر تک ان مردہ بیر بہوٹیوں کو تکتا رہا اور پھر اُسے واہمہ ہوا کہ گلاب کی پتیوں میں سے انہی کے سرخ رنگ کا ایک پکھیر و پائیوں پر ابھرا ، بلند ہوا، موسیٰ حسین کو جھانکتے ہوئے دیکھ کر ٹھٹکا اور پھر اُس کے کان میں سرگوشی کی۔۔تیرے نصیب میں اولاد نہیں ہے ، وجدان اور ور افتگی ہے ، اُسے تلاش کر۔۔۔ٹلہ جوگیاں ، ٹلہ جوگیاں ، کو کتا وہ پھڑ پھڑاتا ہوا اُس کے سر پر سے گزر کر کسی نئے سچ کی جستجو میں اُڑان کر گیا۔" [10]

ناول کی تعریف میں اقبال خورشید لکھتے ہیں:

"تارڑ صاحب کے فن میں چار چیزیں رواں دواں ہیں۔پر قوت تخیل، مسلسل سفر سے حاصل ہونے والا ان مول تجربہ۔ بے پناہ مطالعہ اور لکھنے کی میز۔تارڑ کا لکھنے کی میز سے اٹوٹ رشتہ ہے۔قلم دوات نے بھی بے وفائی نہیں کی اور یوں ایک کے بعد ایک دل پذیر کتابیں جنم لیتی رہیں۔منطق الطیر جدید اس فہرست میں ایک اور اضافہ ہے" [11]

منطق الطیر ، جدید "کلاسیکی صوفی شاعری اور عصری روحانی تحقیقات کے درمیان ایک رابطہ کا کام کرتا ہے۔جو پڑھنے والوں کو ان کی ذاتی اور اجتماعی زندگی میں محبت الٰہی ، حکمت اور راہنمائی کی گہرائیوں کو تلاش کرنے کی دعوت بھی دیتا ہے۔

محبت الٰہی کا تصور اتحاد کے روحانی سفر کو روشن کرتا ہے ، جو تمام پس منظر کے متلاشیوں کے لیے لازوال حکمت اور الہام پیش کرتا ہے۔

حوالہ جات

1 احمد دہلوی، مولوی، سید، "فرہنگ آصفیہ"، (لاہور: مکتبہ حسن سہیل، سنہ ندارد)، ص68

2 یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، "تاریخ تصوف"، (لاہور: دارالکتاب، سنہ ندارد)، ص99

3 اعجاز حسین، ڈاکٹر، "مختصر تاریخ ادب اردو"، (کراچی: اردو اکیڈمی، 1968ء)، ص30

4 رام بابو سکسینہ، "تاریخِ ادب اردو"، مترجم مرزا محمد عسکری، (لاہور: علمی بک ہاؤس، 1994ء)، ص468

5 سورۃ نمل، آیت نمبر16

6 /https://www.mukaalma.com/55826

7 مستنصر حسین تارڑ، "منطق الطیر، جدید" (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، 2018ء)، ص8

8 ایضاً، ص186

9 ایضاً، ص12

10 ایضاً، ص48

11 https://www.express.pk/story/1489132/268